بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بَرَکَاتُ الدُّعَاء

سیّد احمد خانصاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
کے خیالات کے ردّ میں

جس کو

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تصنیف فرمایا

اور

پہلی مرتبہ مطبع ریاض ہند قادیان میں بماہ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ طبع ہوا

نمونہ دُعائے مستجاب[ل]

انیس ہند میرٹھ اور ہماری پیشگوئی پر اعتراض

اس اخبار کا پرچہ مطبوعہ ۲۵ ر مارچ ۱۸۹۳ء جس میں میری اس پیشگوئی کی نسبت جو لیکھرام پشاوری کے بارے میں مَیں نے شائع کی تھی کچھ نکتہ چینی ہے مجھ کو ملا۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ بعض اور اخباروں پر بھی یہ کلمۃ الحق شاق گذرا ہے اور حقیقت میں میرے لئے خوشی کا مقام ہے کہ یوں خود مخالفوں کے ہاتھوں اس کی شہرت اور اشاعت ہو رہی ہے۔ سو مَیں اس وقت اس نکتہ چینی کے جواب میں صرف اسقدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ جس طور اور طریق سے خدا تعالیٰ نے چاہا اسی طور سے کیا میرا اس میں دخل نہیں ہاں یہ سوال کہ ایسی پیشگوئی مفید نہیں ہوگی اور اس میں شبہات باقی رہ جائیں گے اس اعتراض کی نسبت مَیں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ پیش از وقت ہے مَیں اس بات کا خود ہی اقراری ہوں اور اب پھر اقرار کرتا ہوں کہ اگر جیسا کہ معترضوں نے خیال فرمایا ہے پیشگوئی کا ماحصل آخر کار یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا یا معمولی طور پر کوئی درد ہُوا یا ہیضہ ہُوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قائم ہوگئی تو وہ پیشگوئی متصور نہیں ہوگی۔ اور بلاشبہ ایک مکر اور فریب ہوگا کیونکہ ایسی بیماریوں سے تو کوئی بھی خالی نہیں ہم سب کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ پس اس صورت میں بلاشبہ مَیں اس سزا کے لائق ٹھہروں گا جس کا ذکر مَیں نے کیا ہے لیکن اگر پیشگوئی کا ظہور اس طور سے ہُوا کہ جس میں قہرِ الٰہی کے نشان صاف صاف اور کھلے طور پر دکھائی دیں تو پھر سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ پیشگوئی کی ذاتی عظمت

[ل] یہ "نمونہ دُعائے مستجاب" پہلے ایڈیشن میں صفحہ ۲ و ۳ و ۴ سرورق پر شائع ہُوا ہے۔ شمس

اور ہیبت دلوں اور وقتوں کے مقرر کرنے کی محتاج نہیں اس بارے میں تو زمانہ نزول عذاب کی ایک حد مقرر کردینا کافی ہے۔ پھر اگر پیشگوئی فی الواقعہ ایک عظیم الشان ہیبت کے ساتھ ظہور پذیر ہو تو وہ خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور یہ سارے خیالات اور یہ تمام نکتہ چینیاں جو پیش از وقت دلوں میں پیدا ہوتی ہیں ایسی معدوم ہو جاتی ہیں کہ منصف مزاج اہل الرائے ایک انفعال کے ساتھ اپنی رایوں سے رجوع کرتے ہیں۔ ماسوا اسکے یہ عاجز بھی تو قانون قدرت کے تحت میں ہے اگر میری طرف سے بنیاد اِس پیشگوئی کی صرف اسی قدر ہے کہ میں نے صرف یاوہ گوئی کے طور پر چند احتمالی بیماریوں کو ذہن میں رکھکر اور اٹکل سے کام لیکر یہ پیشگوئی شائع کی ہے تو جس شخص کی نسبت یہ پیشگوئی ہے وہ بھی تو ایسا کر سکتا ہے کہ انہی اٹکلوں کی بنیاد پر میری نسبت کوئی پیشگوئی کردے بلکہ میں راضی ہوں کہ بجائے چھ برس کے جو میں نے اُس کے حق میں میعاد مقرر کی ہے وہ میرے لئے دس برس لکھ دے۔ لیکھرام کی عمر اس وقت شاید زیادہ سے زیادہ تیس برس کی ہوگی اور وہ ایک جوان قوی ہیکل عمدہ صحت کا آدمی ہے اور اِس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے پھر باوجود اس کے مقابلہ میں خود معلوم ہو جائیگا کہ کونسی بات انسان کی طرف سے ہے اور کونسی بات خدا تعالیٰ کی طرف سے اور معترض کا کہنا کہ ایسی پیشگوئیوں کا اب زمانہ نہیں ہے ایک معمولی فقرہ ہے جو اکثر لوگ مُنہ سے بول دیا کرتے ہیں۔ میری دانست میں تو مضبوط اور کامل صداقتوں کے قبول کرنے کیلئے یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ شاید اس کی نظیر پہلے زمانوں میں کوئی بھی نہ مل سکے ہاں اِس زمانہ سے کوئی فریب اور مکر مخفی نہیں رہ سکتا مگر یہ تو راستبازوں کے لئے اور بھی خوشی کا مقام ہے کیونکہ جو شخص فریب اور سچ میں فرق کرنا جانتا ہے وہی سچائی کی دل سے عزت کرتا ہے اور بخوشی اور دوڑ کر سچائی کو قبول کر لیتا ہے اور سچائی میں کچھ ایسی کشش ہوتی ہے کہ وہ آپ قبول کرا لیتی ہے ظاہر ہے کہ زمانہ صدہا ایسی نئی باتوں کو قبول کرتا جاتا ہے جو لوگوں کے باپ دادوں نے قبول نہیں کی تھیں اگر

زمانہ صداقتوں کا پیاسا نہیں تو پھر کیوں ایک عظیم الشان انقلاب اُسمیں شروع ہے زمانہ بیشک حقیقی صداقتوں کا دوست ہے نہ دشمن اور یہ کہنا کہ زمانہ عقلمند ہے اور سیدھے سادے لوگوں کا وقت گذر گیا ہے یہ دوسرے لفظوں میں زمانہ کی مذمت ہے۔ گویا یہ زمانہ ایک ایسا بد زمانہ ہے کہ سچائی کو واقعی طور پر سچائی پاکر پھر اُسکو قبول نہیں کرتا لیکن مَیں ہرگز قبول نہیں کرونگا کہ فی الواقعہ ایسا ہی ہے کیونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ زیادہ تر میری طرف رجوع کرنے والے اور مجھ سے فائدہ اٹھانیوالے وہی لوگ ہیں جو نو تعلیم یافتہ ہیں جو بعض اُن میں سے بی۔ اے اور ایم۔ اے تک پہنچے ہوئے ہیں اور مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہ نو تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ صداقتوں کو بڑے شوق سے قبول کرتا جاتا ہے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ایک نو مسلم اور تعلیم یافتہ یورپیشین انگریزوں کا گروہ جنکی سکونت مدراس کے احاطہ میں ہے ہماری جماعت میں شامل اور تمام صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں اب مَیں خیال کرتا ہوں کہ مَیں نے وہ تمام باتیں لکھدی ہیں جو ایک خدا ترس آدمی کے سمجھنے کیلئے کافی ہیں۔ آریوں کا اختیار ہے کہ میرے اس مضمون پر بھی اپنی طرف سے جس طرح چاہیں حاشیئے چڑھائیں مجھے اس بات پر کچھ بھی نظر نہیں کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ اس وقت اس پیشگوئی کی تعریف کرنا یا مذمت کرنا دونوں برابر ہیں۔ اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ اُسی کی طرف سے ہے تو ضرور ہیبتناک نشان کے ساتھ اسکا وقوعہ ہوگا اور دلوں کو ہلا دیگا۔ اور اگر اُس کی طرف سے نہیں تو پھر میری ذلت ظاہر ہو گی۔ اور اگر مَیں اُس وقت رکیک تاویلیں کرونگا تو یہ اَور بھی ذلت کا موجب ہو گا۔ وہ ہستی قدیم اور پاک و قدوس جو تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ کاذب کو کبھی عزت نہیں دیتا۔ یہ بالکل غلط بات ہے کہ لیکھرام سے مجھ کو کوئی ذاتی عداوت ہے۔ مجھ کو ذاتی طور پر کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ اس شخص نے سچائی سے دشمنی کی اور ایک ایسے کامل اور مقدس کو جو تمام سچائیوں کا چشمہ تھا توہین سے یاد کیا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے چاہا کہ اپنے ایک پیارے کی دنیا میں عزت ظاہر کرے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیّد احمد خانصاحب کے سی۔ایس۔آئی کے رسالہ الدّعاوالاستجابۃ اور رسالہ تحریر فی اصول التفسیر پر ایک نظر

اے اسیر عقل خود بر ہستیٔ خود کم بناز | کیں سپہر بوالعجائب چوں تو بسیار آورد

غیر را ہرگز نمے باشد گذر در کوئے حق | ہر کہ آید ز آسماں او رازِ آں یار آورد

خود بخود فہمیدنِ قرآں گمانِ باطل است | ہر کہ از خود آورد او نجس و مُردار آورد

سیّد صاحب اپنے رسالہ مندرجہ عنوان میں دُعا کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ استجابتِ دُعا کے یہ معنے نہیں کہ جو کچھ دُعا میں مانگا گیا ہے وہ دیا جائے کیونکہ اگر استجابت دُعا کے یہی معنے ہوں کہ وہ سوال بہر حال پُورا کر دیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ ہزاروں دُعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت دُعا کا وعدہ کیا ہے۔ دوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدّر ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی مقدّر ہیں ان مقدّرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر استجابت دُعا کے معنے سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم[۱] ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدّر نہیں ہے صادق نہیں آسکتا یعنی ان معنوں کی رُو سے یہ عام وعدہ استجابت دُعا کا باطل ٹھہریگا کیونکہ سوالوں کا وہی حصّہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدّر ہے لیکن استجابت دُعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثناء نہیں پھر جس حالت میں

[۱] المومن : ٦١

بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جاتیں اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دُعا ردّ نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے تمام دُعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کرلیا ہے جیسا کہ آیت ادعونی استجب لکم سے ظاہر ہے۔ پھر اس تناقض اور تعارض آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابت دُعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنے کئے جائیں کہ دُعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع سے اور خضوع سے کی جائے تو اُس کے قبول کرنیکا خدا تعالے نے وعدہ فرمایا ہے پس استجابت دُعا کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دُعا ایک عبادت متصور ہو کر اُس پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔ ہاں اگر مقدر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لیے دُعا بھی کی گئی تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دُعا سے بلکہ اُس کا ملنا مقدر تھا۔ اور دُعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دُعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آکر ان تمام خیالات پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے غالب ہو جاتا ہے اور انسان کو صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمۂ عبادت ہے اور یہی دُعا کا مستجاب ہونا ہے۔ پھر سید صاحب اپنے رسالہ کے آخیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ حقیقت دُعا سے ناواقف اور جو حکمت اس میں ہے اس سے بے خبر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ امر مسلّم ہے کہ جو مقدر نہیں ہے وہ نہیں ہونے کا تو دُعا سے کیا فائدہ ہے یعنی جب کہ مقدر بہرحال مل رہیگا خواہ دُعا کرو یا نہ کرو اور جس کا ملنا مقدر نہیں اُس کے لیے ہزاروں دُعائیں کئے جاؤ کچھ فائدہ نہیں تو پھر دُعا کرنا ایک امرِ عبث ہے۔ اس کے جواب میں سید صاحب فرماتے ہیں کہ اضطرار کے وقت استمداد کی خواہش رکھنا انسان کی

فطرت کا خاصہ ہے۔ سو انسان اپنے فطرتی خاصہ سے دُعا کرتا ہے بلا خیال اس کے کہ وہ ہوگا یا نہیں اور بمقتضائے اُس کی فطرت کے اُس کو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔

اِس تمام تحریر سے جس کو ہم نے بطور خلاصہ اوپر لکھدیا ہے ثابت ہوا کہ سیّد صاحب کا یہ مذہب ہے کہ دُعا ذریعۂ حصولِ مقصود نہیں ہو سکتی اور نہ تحصیل مقاصد کے لئے اُسکا کچھ اثر ہے اور اگر دُعا کرنے سے کسی داعی کا فقط یہی مقصد ہو کہ بذریعہ دُعا کوئی سوال پورا ہو جائے تو یہ خیال عبث ہے کیونکہ جس امر کا ہونا مقدّر ہے اُس کے لئے دُعا کی حاجت نہیں اور جس کا ہونا مقدر نہیں اُس کے لئے تضرع و ابتہال بے فائدہ ہے۔ غرض اس تقریر سے تمام تر صفائی کُھل گیا کہ سیّد صاحب کا یہی عقیدہ ہے کہ دُعا صرف عبادت کیلئے موضوع ہے اور اُسکو کسی دنیوی مطلب کے حصول کا ذریعہ قرار دینا طمع خام ہے۔

اب واضح ہو کہ سیّد صاحب کو قرآنی آیات کے سمجھنے میں سخت دھوکا لگا ہوا ہے مگر ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس دھوکے کی کیفیت کو اس مضمون کے آخیر میں بیان کرینگے اسوقت ہم نہایت افسوس سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر سیّد صاحب قرآن کریم کے سمجھنے میں فہم رسا نہیں رکھتے تھے تو کیا وہ قانونِ قدرت بھی جس کی پیروی کا وہ دم مارتے ہیں اور جس کو وہ خدا تعالیٰ کی فعلی ہدایت اور قرآن کریم کے اسرارِ غامضہ کا مفسّر قرار دیتے ہیں اس مضمون کے لکھنے کے وقت اُنکی نظر سے غائب تھا؟ کیا سیّد صاحب کو معلوم نہیں کہ اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اُسکے حصول کیلئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچّے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کرکے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دُعا یا ترکِ دُعا۔ مگر کیا سیّد صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علمِ طب سراسر باطل ہے اور حکیمِ حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھّا۔ پھر اگر سیّد صاحب باوجود ایمان بالتقدیر کے اِس بات کے بھی قائل ہیں کہ دوائیں بھی اثر سے خالی نہیں تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے یکساں اور متشابہ

قانون میں فتنہ اور تفریق ڈالتے ہیں؟ کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اِس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا، اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھدے کہ انکی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کردے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو نقطہ مُردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نظامِ الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالےٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ دعاؤں میں مرعی نہ ہو؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ خود سید صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بیخبر ہیں اور اُن کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے۔ اور ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پُرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القوی دوا کو استعمال کرے اور پھر اُس کو بے اثر پاکر اس دوا پر عام حکم لگادے کہ اِس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔ افسوس! صد افسوس کہ سید صاحب باوجودیکہ پیرانہ سالی تک پہنچ گئے مگر اب تک اُن پر یہ سلسلۂ نظام قدرت مخفی رہا۔ کہ کیونکر قضاء و قدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور کسقدر یہ سلسلہ اسباب اور مسببات کا باہم گہرے اور لازمی تعلقات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اِس دھوکے میں پھنس گئے کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ گویا بغیر ان اسباب کے جو قدرت نے روحانی اور جسمانی طور پر مقرر کر رکھے ہیں۔ کوئی چیز ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ یوں تو دنیا میں کوئی چیز بھی مقدّر سے خالی نہیں۔ مثلاً جو انسان آگ اور پانی اور ہوا اور مٹی اور اناج اور نباتات اور حیوانات اور جمادات وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ سب مقدرات ہی ہیں لیکن اگر کوئی نادان ایسا خیال کرے کہ بغیر ان تمام اسباب کے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں اور بغیر ان راہوں کے جو قدرت نے معیّن کر دی ہیں ایک چیز بغیر توسط جسمانی یا روحانی

وسائل کے حاصل ہو سکتی ہے تو ایسا شخص گویا خدا تعالیٰ کی حکمت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ سید صاحب کی تقریر کا بجز اس کے کچھ اور بھی ماحصل ہے کہ وہ دعا کو منجملہ اُن اسباب موثرہ کے نہیں سمجھتے جن کو انہوں نے بڑی مضبوطی سے تسلیم کیا ہوا ہے۔ بلکہ اس رہ میں حد سے زیادہ آگے قدم رکھدیا ہے۔ مثلاً اگر سید صاحب کے پاس آگ کی تاثیر کا ذکر کیا جائے تو وہ ہرگز اس سے منکر نہیں ہونگے اور ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اگر کسی کا جلنا مقدّر ہے تو بغیر آگ کے بھی جل رہے گا۔ تو پھر میں حیران ہوں کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے دُعا کی تاثیروں سے جو آگ کی طرح کبھی اندھیرے کو روشن کر دیتی ہیں اور کبھی گستاخ دست انداز کا ہاتھ جلا دیتی ہیں کیوں منکر ہیں۔ کیا انکو دعاؤں کے وقت تقدیر یاد آ جاتی ہے اور جب آگ وغیرہ کا ذکر کریں تو پھر تقدیر بھول جاتی ہے؛ کیا ان دونوں چیزوں پر ایک ہی تقدیر حاوی نہیں ہے؛ پھر جس حالت میں باوجود تقدیر ماننے کے وہ اسباب موثرہ کو اس شدّت سے مانتے ہیں کہ اسکے غلو میں وہ بدنام بھی ہو گئے تو پھر اسکا کیا موجب ہے کہ وہ نظامِ قدرت جسکو وہ تسلیم کر چکے ہیں دُعا میں اُن کو یاد نہیں رہا یہاں تک کہ مکھی میں تو کچھ تاثیر ہے مگر دُعا میں اتنی بھی نہیں۔ پس اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کوچہ سے بے خبر ہیں اور نہ ذاتی تجربہ اور نہ تجربہ والوں کی اُن کو صحبت ہے۔

اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابتِ دُعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں سو واضح ہو کہ استجابت دُعا کا مسئلہ درحقیقت دُعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اُس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں۔ پس یہی سبب سید کی غلط فہمی کا ہے۔ اور دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اُس کے ربّ میں ایک تعلّقِ جاذبہ ہے۔ یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے

اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جسوقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوُا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اُس کی رُوح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دُعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دُعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بد دُعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اِسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دُعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرامِ فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دُعا ہی ہے اور جسقدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعاء ہے اور اکثر دُعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک

عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہُوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ والٰہ بعدد ھمہ وغمہ وحزنہ لھٰذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دُعائیں خطا جاتی ہیں اور اُنکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو مَیں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا اُن کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی اُن کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو۔ تو اسباب تقدیر علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جاکر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دُعا کا بھی ہے۔ یعنی دُعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط

قبولیت اُسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نظامِ جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے۔ پس سیّد صاحب کی سخت غلطی ہے کہ وہ نظامِ جسمانی کا تو اقرار کرتے ہیں مگر نظامِ روحانی سے منکر ہو بیٹھے ہیں۔

بالآخر مَیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سیّد صاحب اپنے اس غلط خیال سے توبہ نہ کریں اور یہ کہیں کہ دُعاؤں کے اثر کا ثبوت کیا ہے تو مَیں ایسی غلطیوں کے نکالنے کے لئے مامور ہوں مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دُعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت سیّد صاحب کو اطلاع دونگا اور نہ صرف اطلاع بلکہ چھپوا دونگا مگر سیّد صاحب ساتھ ہی یہ بھی اقرار کریں کہ وہ بعد ثابت ہو جانے میرے دعویٰ کے اپنے اِس غلط خیال سے رجوع کریں گے۔

سیّد صاحب کا یہ قول ہے کہ گویا قرآن کریم میں خدا تعالےٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ تمام دُعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ اُنکی سخت غلط فہمی ہے۔ اور یہ آیت ادعونی استجب لکم[1] اُن کے مدّعا کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ یہ دُعا جو آیت ادعونی استجب لکم[1] میں بطور امر کے بجا لانے کے لئے فرمائی گئی ہے اس سے مُراد معمولی دُعائیں نہیں ہیں بلکہ وہ عبادت ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیونکہ امر کا صیغہ یہاں فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کُل دُعائیں فرض میں داخل نہیں ہیں بلکہ بعض جگہ اللہ جل شانہٗ نے صابرین کی تعریف کی ہے جو اِنّا للہ پر کفایت کرتے ہیں اور اس دُعا کی فرضیت پر بڑا قرینہ یہ ہے کہ صرف امر پر ہی کفایت نہیں کی گئی بلکہ اس کو عبادت کے لفظ سے یاد کر کے بحالتِ نافرمانی عذابِ جہنّم کی وعید اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے

[1] المومن : ۶۱

اور ظاہر ہے کہ دوسری دعاؤں میں یہ وعید نہیں بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دُعا مانگنے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ چنانچہ انی اعظك ان تكون من الجاهلين[1] اس پر شاہد ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہر دُعا عبادت ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کو لا تسئلن کا تازیانہ کیوں لگایا جاتا ہے اور بعض اوقات اولیاء اور انبیاء دُعا کرنے کو سوء ادب سمجھتے رہے ہیں اور صلحاء نے ایسی دُعاؤں میں استفتاء قلب پر عمل کیا ہے یعنی اگر مصیبت کے وقت دل نے دُعا کرنے کا فتویٰ دیا تو دُعا کی طرف متوجہ ہوئے اور اگر صبر کے لئے فتویٰ دیا تو پھر صبر کیا اور دُعا سے مُنہ پھیر لیا۔ ماسوا اسکے اللہ تعالیٰ نے دوسری دُعاؤں میں قبول کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ صاف فرما دیا ہے کہ چاہوں تو قبول کروں اور چاہوں تو ردّ کروں جیسا کہ یہ آیت قرآن کی صاف بتلا رہی ہے اور وہ یہ ہے بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون اليه ان شاء[2] (سورۃ انعام الجزو نمبر ۷) اور اگر ہم تنزلاً مان بھی لیں کہ اس مقام میں لفظ ادعوا سے عام طور پر دُعا ہی مُراد ہے تو ہم اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں دیکھتے کہ یہاں دُعا سے وہ دُعا مُراد ہے جو بجمیع شرائط ہو اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دُعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دُعا کرتا ہے یا جس کے لئے دُعا کی گئی ہے اُسکی دنیا اور آخرت کیلئے اس بات کا حاصل ہونا خلاف مصلحت الٰہی بھی نہ ہو کیونکہ بسا اوقات دُعائیں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے اور اس کے پُورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی مثلاً اگر کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح اور رونے سے یہ چاہے کہ وہ آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا بچّہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دے یا ایک

[1] هود: ۴۷ [2] الانعام: ۴۲

زہر جو بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اس کو کھلا دے تو یہ سوال اس بچّہ کا ہرگز اُس کی ماں پُورا نہ کرے گی اور اگر پورا کر دیوے اور اتفاقاً بچّہ کی جان بچ جاوے لیکن کوئی عضو اس کا بے کار ہو جاوے تو بلوغ کے بعد وہ بچّہ اپنی اس احمق والدہ کا سخت شاکی ہو گا اور بجز اسکے اور بھی کئی شرائط ہیں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اُسوقت تک دُعا کو دُعا نہیں کہہ سکتے اور جب تک کسی دُعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کے لئے دُعا کی گئی ہے اور جو دُعا کرتا ہے ان میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو تب تک توقع اثر دُعا امید موہوم ہے اور جب تک ارادۂ الٰہی قبولیت دُعا کے متعلق نہیں ہوتا تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں اور ہمتیں پوری توجہ سے قاصر رہتی ہیں۔ سید صاحب اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ دارِ آخرت کی سعادتیں اور نعمتیں اور لذّتیں اور راحتیں جن کی نجات سے تعبیر کی گئی ہے ایمان اور ایمانی دُعاؤں کا نتیجہ ہیں۔ پھر جبکہ یہ حال ہے تو سیّد صاحب کو ماننا پڑا کہ بلاشبہ ایک مومن کی دُعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دُور ہونے اور مُرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر موجب نہیں ہو سکتیں تو پھر کیا وجہ کہ قیامت میں موجب ہو جائینگی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دُعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دُنیا میں کسی آفت کے دُور ہونے کا موجب نہیں ہو سکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی؟ یہ بات تو نہایت صاف ہے کہ اگر ہماری دُعاؤں میں آفات سے بچنے کے لئے درحقیقت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دُنیا میں بھی ظاہر ہونی چاہیئے تا ہمارا الیقین بڑھے اور امید بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لئے ہم زیادہ سرگرمی سے دُعائیں کریں۔ اور اگر درحقیقت دُعا کچھ چیز نہیں صرف پیشانی کا نوشتہ پیش آتا ہے تو جیسا دنیا کی آفات کے لئے بقول سیّد صاحب کے دُعا عبث ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی عبث ہوگی اور اس پر اُمید رکھنا طمع خام۔ اب مَیں اس بارے میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا کیونکہ

ناظرین با انصاف میرے اس بیان کو غور سے پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں نے سیّد صاحب کی غلط فہمی کا ثبوت کافی دے دیا۔ ماسوا اس کے اگر سیّد صاحب اب بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آویں تو ایک دوسرا طریق بھی اُن پر حجت پورا کرنے کے لئے لکھا گیا ہے اگر وہ طالب حق ہونگے تو اعتراض نہیں کریں گے۔ اور سید صاحب کی دوسری کتاب جسکا نام تحریر فی اصول التفسیر ہے اُن کی اس کتاب سے بالکل مناقض اور مغائر پڑی ہوئی ہے۔ گویا سیّد صاحب نے کسی مدہوشی کی حالت میں یہ دونوں رسالے لکھے ہیں کیونکہ سید صاحب استجابتِ دُعا کے رسالے میں تو تقدیر کو مقدم رکھتے ہیں اور اسباب عادیہ کو گویا ہیچ خیال کرتے ہیں اور اسی بنا پر استجابت دُعا سے انکار کرتے ہیں کیونکہ دُعا منجملہ اسبابِ عادیہ کے ہے جس پر ایک لاکھ سے زیادہ نبی اور کئی کروڑ ولی گواہی دیتا چلا آیا ہے٭ اور نبیوں کے ہاتھ میں بجز دُعا کے اَور کیا تھا۔

٭ قطب ربانی وغوث سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے جسقدر اپنی کتاب فتوح الغیب میں کامل کی توجہ اور دُعا کا اثر اپنے تجارب کی رو سے لکھا ہے ہم عام فائدہ کے لئے وہ عبارتیں معہ ترجمہ ذیل میں لکھتے ہیں۔ اس تحریر سے مطلب یہ ہے کہ ہر ایک فن میں اُسی شخص کی شہادت معتبر سمجھی جاتی ہے جو اس فن کا محقق ہوتا ہے۔ پس اس بنا پر استجابت دُعا کی فلاسفی اس شخص کو سچے طور پر معلوم ہو سکتی ہے جس کو خدا تعالےٰ سے سچے تعلقات صدق اور محبت کے حاصل ہوں۔ پس سید احمد خان صاحب سے اس پاک فلاسفی کا دریافت کرنا ایسا ہے جیسے ایک بیطار سے کسی انسان کی مرض کا علاج پوچھنا سیّد صاحب اگر کسی دنیاوی گورنمنٹ کے تعلقات اُن کی رعایا کے ساتھ بیان کریں تو بلاشبہ وہ اس بات کے لائق ہیں مگر خدا تعالےٰ کی باتیں خدائی لوگ جانتے ہیں۔ اور وہ عبارت یہ ہے:۔

فاجعلانت اجملتك واجزاءك اصناماً مع سائر الخلق ولا تطع شيئاً من ذالك ولا تتبعه جملة فتكون كبريتاً احمر فلا تكاد ترى فحينئذٍ تكون وارث كل نبي ورسول وبك تختم الولاية وتنكشف الكروب وبك تسقى الغيوث وبك تنبت الزروع وبك تدفع البلايا والمحن عن الخاص والعام واهل الثغور وتقلبك يد القدرة ويدعوك لسان الازل وتنزل منازل من سلف من اولى العلم ويرد عليك التكوين وخرق العادات وتدوس على الاسرار والعلوم اللدنية وغرائبها۔ ترجمہ:۔ یعنی اگر تو خدا تعالیٰ کا مقبول بنا

اور دوسرے رسالہ میں گویا سید صاحب تقدیر کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتے کیونکہ تمام اشیاء کو انہوں نے ایک مستقل وجود قرار دے دیا ہے کہ گویا وہ تمام چیزیں خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے نکل گئی ہیں اب اُس کو ان کی تبدیل اور تغییر پر کچھ بھی اختیار نہیں اور گویا اُس کی خدائی فقط ایک تنگ دائرہ میں محدود ہے اور اُس کے قادرانہ تصرفات آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں اور جو اشیاء پر حالت وارد ہے وہ اُس کی تقدیر نہیں بلکہ اب وہ مخلوقات کی ایک ذاتی خاصیت ہے جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵ - چاہتا ہے تو اس بات پر یقین کر لے اور ایسا سمجھ لے کہ تیرے ہاتھ تیرے پاؤں تیری زبان تیری آنکھ اور تیرا سارا وجود اور اس کے تمام اجزاء تیری راہ میں بُت ہی ہیں - اور مخلوق میں سے دوسری تمام چیزیں بھی تیری راہ میں بُت ہیں - تیرے بچے تیری بیوی اور ہر ایک دنیا کی مُراد جو تو چاہتا ہے اور دنیا کا مال اور دنیا کی عزت اور دنیا کا ننگ و ناموس اور دنیا کا رجاء اور خوف اور زید و بکر پر توکل یا خالد و ولید کی ضرر رسانی کا خوف یہ سب تیری راہ میں بُت ہیں - سو تُو ان بتوں میں سے کسی کا فرمانبردار مت ہو اور سارا اسی کی پیروی میں غرق نہ ہو جا یعنی صرف بقدر حقوق شرعیہ اور سُنن صالحین اس کی رعایت رکھ - پس اگر تو نے ایسا کر لیا تو تو کبریت احمر ہو جائیگا اور تیرا مقام نہایت رفیع ہوگا یہاں تک کہ تو نظر نہیں آئے گا - اور خدا تعالےٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں کا وارث بنا دے گا - یعنی اُن کے علوم و معارف اور برکات جو مخفی اور ناپدید ہو گئے تھے وہ از سرِ نو تجھ کو عطا کئے جائیں گے - اور ولایت تیرے پر ختم ہو گی - یعنی تیرے بعد کوئی نہیں اُٹھے گا جو تجھ سے بڑا ہو - اور تیری دعاؤں اور تیری عقد ہمت اور تیری برکت سے لوگوں کے سخت غم دُور کئے جائیں گے اور قحط زدوں کے لئے بارشیں ہونگی - اور کھیتیاں اُگیں گی اور بلائیں اور محنتیں ہر ایک خاص و عام کی یہاں تک کہ بادشاہوں کی مصیبتیں تیری توجہ اور دُعا سے دُور ہونگی - اور ید قدرت تیرے ساتھ ہوگا - اور جس طرف تو پھرے اسی طرف وہ پھرے گا اور لسان الازل تجھے اپنی طرف بلائے گی یعنی جو کچھ تیری زبان پر جاری ہو جائیگا وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اس میں برکت رکھی جائے گی - اور تو اُن تمام راستبازوں کا قائم مقام کیا جائے گا جن کو تجھ سے پہلے علم دیا گیا - اور تکوین تیرے پر رد کی جائے گی - یعنی تیری دُعا اور تیری توجہ عالم میں تصرف کرے گی - اور پھر اگر تو معدوم کو موجود کرنا یا موجود کو معدوم کرنا چاہے گا تو وہی ہو جائے گا - اور امور خارق عادت تجھ سے ظاہر ہوں گے - اور تجھ کو اسرار اور علوم لدنیہ اور معارف غریبہ عطا ہوں گے جن کے لئے تو امین اور مستحق سمجھا جائے گا - منہ

قابلِ تغیر و تبدیل نہیں کیونکہ تقدیر کے مفہوم کو اختیارِ مقدّر لازم پڑا ہوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جن خواص پر خدا تعالیٰ کا کچھ بھی اختیار باقی نہیں رہا تو پھر اُن خواص کو اُس کی تقدیر کیونکر کہنا چاہیئے۔ اور اگر اختیار ہے تو پھر امکان تبدیل باقی ہے۔ غرض سیّد صاحب نے اس دوسرے رسالہ میں مقدّرِ حقیقی کی حکومت تمام چیزوں کے سر پر سے ایسی اُٹھا دی ہے کہ وہ اپنے خواص میں (بقول سیّد صاحب) تابع مرضی مالک نہیں رہیں بلکہ ایکٹ مزارعان کی پانچویں دفعہ کے موروثیوں کے لئے جو حقوق انگریزوں نے قائم کئے ہیں یعنی یہ کہ مالک کو کسی قسم کے تصرف کا اُن پر اختیار نہیں ہوگا اسی قسم کے موروثی سیّد صاحب نے بھی تمام چیزوں آگ وغیرہ کو ٹھہرا دیا ہے۔ بلکہ سیّد صاحب کے قانون میں انگریزوں کے قانون سے زیادہ تشدّد ہے کیونکہ انگریزوں نے پانچویں دفعہ کے موروثی کے اخراج کے لئے ایک صورت قائم بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ جب موروثی ایک سال تک لگان واجب کا ایک حصّہ خواہ دو آنہ بھی ہوں ادا نہ کرے تو خارج ہو سکتا ہے مگر سیّد صاحب نے تو ہر حال میں حقوق مالک کو تلف کر دیا اور یہ ظلمِ عظیم ہے۔

اور سیّد صاحب نے جو اپنے دوست حریف سے تفسیر قرآن کریم کا معیار مانگا ہے سو مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس جگہ بھی سیّد صاحب کی کسی قدر مَیں ہی خدمت کر دوں کیونکہ بھولے کو راہ بتانا سب سے پہلے میرا فرض ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ

سب سے اوّل معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں۔ یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت

ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اُسی میں موجود نہ ہوں۔ سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنے کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کیلئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو اور سچّے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بیّنہ کا اس کا مصدق ہو۔

دوسرا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کے معنے سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے۔ تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اُس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔

تیسرا معیار صحابہؓ کی تفسیر ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علمِ نبوت کے پہلے وارث تھے اور خدا تعالیٰ کا اُن پر بڑا فضل تھا اور نصرتِ الٰہی اُن کی قوتِ مدرکہ کے ساتھ تھی کیونکہ اُن کا نہ صرف قال بلکہ حال تھا۔

چوتھا معیار خود اپنا نفسِ مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے کیونکہ نفسِ مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ[1] یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف اُن پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔ کیونکہ مطہر القلب انسان پر قرآن کریم کے پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ اُن کو شناخت کر لیتا ہے اور سُونگھ لیتا ہے اور اُس کا دل بول اُٹھتا ہے کہ ہاں یہی راہ سچّی ہے اور اُس کا نورِ قلب سچائی کی پرکھ کے لئے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔ پس جب تک انسان صاحبِ حال نہ ہو اور اِس تنگ راہ سے

[1] الواقعۃ : ۸۰

گذرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبر کی جہت سے مفسّر قرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ من فسر القرآن برایٔہ فاصاب فقد اخطاء یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور اپنے خیال میں اچھی کی تب بھی اُس نے بُری تفسیر کی۔

پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیئے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادت بصیرت بے شک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیّہ کی طرف لغت کھودنے سے توجّہ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔

چھٹا معیار روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لئے سلسلہ جسمانی ہے کیونکہ خداوند تعالےٰ کے دونوں سلسلوں میں بکلّی تطابق ہے۔

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں٭۔ اور یہ معیار گویا

٭حاشیہ معیار ہفتم۔ سید صاحب نے اپنی کتاب میں وحی کو معیار صداقت نہیں ٹھہرایا اور نہ ٹھہرانا چاہتے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وحی کو خواہ وہ وحیٔ نبوت ہو یا وحیٔ ولایت نظر عزت سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کو صرف ملکۂ فطرت خیال کرتے ہیں سو اُن کی رائے کی نسبت بھی اسجگہ کسی قدر بیان کرنا قرین مصلحت ہے۔ سو واضح ہو کہ سید صاحب کی یہ بڑی غلطی اور سخت فتنہ انداز اور حق سے دُور ڈالنے والی رائے ہے کہ وحی اللہ کو صرف ملکۂ فطرت خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت میں کئی قسم کے ملکات ہوتے ہیں اور تمام ملکات اِس قسم کے ہیں کہ ایک کی طرز اور وضع دوسرے کی طرز اور وضع پر شاہد ہے۔ مثلاً بعض کی فطرت علم حساب اور ہندسہ سے ایک مناسبت رکھتی ہے اور بعض کی علم طب سے اور بعض کی علم منطق اور کلام سے لیکن خود بخود یہ استعداد مخفیہ کسی کو محاسب اور مہندس یا طبیب اور منطقی نہیں بنا سکتی بلکہ ایسا شخص تعلیم استاد کا محتاج ہوتا ہے۔ اور پھر دانا استاد جب اس شخص کی طبیعت کو ایک خاص علم سے مناسبت دیکھتا ہے تو اس کے پڑھنے کی اس کو رغبت دیتا ہے۔ اسکے مناسب یہ شعر ہے کہ ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند ؛ میل طبعش اندراں انداختند۔ (باقی)

تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحیٔ محدثیت اپنے نبیٔ متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اُس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اُس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اُس پر وہ سب امور بطور انعام واکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبیٔ متبوع پر وارد ہوتے ہیں۔ سو اُس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سُنکر بولتا ہے اور یہ راہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۔ اس تعلیم یابی کے بعد وہ ملکہ جو تخم کی طرح چھپا ہوا تھا بھڑک اُٹھتا ہے اور طرح طرح کی باریکیاں اس علم کی اُس کو سُوجھتی ہیں اور جو کچھ اس فن کے متعلق نئے نئے امور من جانب اللہ اسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں اگر اُن کا الہام اور القا نام رکھیں تو کچھ بعید نہیں ہوتا کیونکہ بلاشبہ وہ تمام عمدہ باتیں جن سے انسانوں کو نفع پہنچتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے دل میں ڈالی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ بھی درحقیقت اسی کی طرف اشارہ فرما کر کہتا ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا[۱] یعنی بُری باتیں اور نیک باتیں جو انسانوں کے دلوں میں پڑتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی الہام ہوتی ہیں۔ اچھا آدمی اپنی اچھی طبیعت کی وجہ سے اس لائق ہوتا ہے کہ اچھی باتیں اس کے دل میں پڑیں اور بُرا آدمی اپنی بُری طبیعت کی وجہ سے اس لائق ٹھہرتا ہے کہ بُرے خیالات اور بداندیشی کی تجویزیں اُس کے دل میں پیدا ہوتی رہیں۔ اور درحقیقت نیک انسان اس قسم کے الہامات کے حاصل کرنے کے لئے فطرتاً ایک نیک ملکہ اپنے اندر رکھتا ہے اور بُرا انسان فطرتاً ایک بُرا ملکہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی ملکہ فطرتی کی وجہ سے بہت سے لوگ اچھی اور بُری تالیفیں اور پاک اور ناپاک ملفوظات اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء کی وحی کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ بھی درحقیقت ایک ملکہ فطرت ہے جو اس قسم کے القاء سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے جس کی تفصیل ابھی بیان ہوئی ہے۔ اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو حقیقت معلوم شد کیونکہ انبیاء کی وحی کو صرف ایک ملکۂ فطرت قرار دے کر پھر انبیاء اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں میں مابہ الامتیاز قائم کرنا نہایت مشکل ہے۔ شاید سید صاحب اس جگہ یہ فرماویں کہ ہم وحی متلو کے قائل ہیں یعنی قرآن کریم بالفاظ وحی ہے گر میں سید صاحب کی اس حکمتِ عملی کو خوب سمجھتا ہوں وہ اس وحی متلو کے ہرگز قائل نہیں جس کے ہم لوگ قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یوں تو کوئی القاء الفاظ کے بغیر نہیں ہوتا اور ایسے معانی جو الفاظ سے مجرد ہوں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے لیکن پھر خود قرآن اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک فرق ہے اور اُسی فرق کی بنا پر حدیث کے الفاظ کو اس چشمہ سے نکلا ہوا قرار نہیں دیتے جس چشمہ سے قرآن کے الفاظ نکلے ہیں گو عام القاء اور الہام کا مفہوم مدنظر رکھکر حدیث کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہیں چنانچہ آیت وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی[۲]

[۱] الشمس: ۹ [۲] النجم: ۴

اِس اُمت کے لئے کھلی ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وارثِ حقیقی کوئی نہ رہے اور ایک شخص جو دنیا کا کیڑا اور دُنیا کے جاہ و جلال اور ننگ و ناموس میں مبتلا ہے وہی وارث علمِ نبوت ہو کیونکہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ بجز مطہرین کے علمِ نبوت کسی کو نہیں دیا جائیگا بلکہ یہ تو اس پاک علم سے بازی کرنا ہے کہ ہر ایک شخص باوجود اپنی آلودہ حالت کے وارث النّبی ہونیکا دعویٰ کرے۔ اور یہ بھی ایک سخت جہالت ہے کہ اِن وارثوں کے وجود سے انکار کیا جائے اور یہ

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۰۔ اس پر شہادت دے رہی ہے۔ یہ بات تو ہم دوبارہ یاد دلا دیتے ہیں کہ گو کسی قسم کا القا ہو الفاظ ہمیشہ ساتھ ہونگے۔ مثلاً ایک شاعر جو ایک مصرعہ کے لئے دوسرا مصرعہ تلاش کر رہا ہے تو جب اس کے ذہن پر منجانب اللہ کوئی القاء ہوگا تو الفاظ کے ساتھ ہی ہوگا۔ اب جبکہ یہ بات پختہ طور پر فیصلہ پا گئی کہ حکماء اور عرفاء اور شعراء کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی القاء ہوتا ہے اور وہ بھی الہام متلو ہی ہوتا ہے اور ان میں سے راستبازوں کو راستی کا اور بدوں کو بدی کا ایک ملکہ عطا کیا جاتا ہے اور مناسب حال اس ملکہ کے وقتاً فوقتاً ان کو الہام ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً جس نے ریل ایجاد کی اس کو یہی القاء ہی ہوا تھا اور جو تار برقی کا موجد گذرا ہے وہ بھی اِن معنوں کر کے ملہم ہی تھا تو وہی اعتراض جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں سیّد صاحب پر وارد ہوگا۔ اگر سیّد صاحب یہ جواب دیں کہ درحقیقت نفس القاء میں تو انبیاء اور حکماء بلکہ کافر اور مومن برابر ہیں مگر فرق یہ ہے کہ انبیاء کا القاء ہمیشہ صحیح ہوتا ہے تو ایسے جواب میں سیّد صاحب کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ وحیٔ نبوت کفار کے الہام سے کوئی ذاتی امتیاز نہیں رکھتی صرف یہ زائد امر ہے کہ انبیاء کی وحی غلطی سے پاک ہوتی ہے اور ارسطو اور افلاطون وغیرہ حکماء کی وحی غلطی سے پاک نہیں تھی۔ لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے بلکہ سراسر تحکّم ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ حصۂ کثیر حکماء کے مواعظ اور نصائح اور اخلاقی باتوں کا جو غلطیوں سے پاک اور قرآن کے موافق ہے اُس کو بلاشبہ کلامِ الٰہی سمجھیں اور فرقان حمید کے برابر قرار دے دیں۔ اور اس کی وحی متلو ہونے پر ایمان لادیں اور دوسرا حصّہ جس میں غلطی ہو اس کو اُسی طرح اجتہادی غلطیوں کی مد میں داخل کر دیں جیسا کہ انبیاء سے بھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اور پھر اس اصول کے لحاظ سے ایسے حکماء بلکہ کفار کو بھی نبی سمجھ لیں۔ اب ظاہر ہے کہ درحقیقت یہ ایسا خیال ہے کہ قریب ہے کہ سیّد صاحب کا ایمان اس سے ضائع ہو جائے بلکہ شاید کسی موقعہ پر نیوٹن وغیرہ حکماء کی وحی کو قرآن کی وحی سے اعلیٰ سمجھنے لگیں۔ افسوس کہ اگر سیّد صاحب قرآن کے معنے سمجھنے کے لئے قرآن کو ہی معیار ٹھہراتے تو اس ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچ جاتے۔ قرآن نے کسی جگہ اپنی وحی کی یہ مثال پیش نہیں کی

اعتقاد رکھا جائے کہ اسرار نبوت کو اب صرف بطور ایک گذشتہ قصہ کے تسلیم کرنا چاہیئے جنکا وجود ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے اور نہ ہونا ممکن ہے۔ اور نہ ان کا کوئی نمونہ موجود ہے۔ بات یوں نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اسلام زندہ مذہب نہ کہلا سکتا بلکہ اور مذہبوں کی طرح یہ بھی مُردہ مذہب ہوتا اور اس صورت میں اعتقاد مسئلہ نبوت بھی صرف ایک قصہ ہوتا جس کا گذشتہ قرنوں کی طرف حوالہ دیا جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱ - کہ وہ اس چشمہ کی مانند ہے کہ جو زمین سے جوش مارتا ہے۔ بلکہ ہر جگہ یہی مثال پیش کی کہ وہ اُس بارش کی مانند ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور اگر سیّد صاحب لکھنے کے وقت کسی صاحب حال سے پوچھ لیتے کہ وحی اللہ کیا شے ہے اور کیونکر نازل ہوتی ہے تو تب بھی اس لغزش سے بچ جاتے۔ اِس ٹھوکر سے سید صاحب نے ایک جماعت کثیرہ مسلمان کو تباہ کر دیا اور قریب قریب الحاد اور دہریت کے پہنچا دیا اور وحیٔ نبوت کی عزت کو کھو کر اُس فطرتی ملکہ تک محدود کر دیا جس میں کافر اور بے ایمان بھی شریک ہیں۔

اِس وقت میں محض للہ اپنی شہادت سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں شاید خدا تعالےٰ اُن پر فضل کرے۔ سوا اے عزیز سیّد! مجھے اس اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع دیوار پر۔ مَیں ہر روز دیکھتا ہوں کہ جب مکالمۂ الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اوّل یک دفعہ مجھ پر ایک ربودگی طاری ہوتی ہے تب مَیں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حِس اور میرا ادراک اور ہوش گو بگفتن باقی ہوتا ہے مگر اُس وقت مَیں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقت نے میرے تمام وجود کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے اور اُس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اُس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں بلکہ اُسکا ہے جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اُس وقت سب سے پہلے خدا تعالیٰ دل کے اُن خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے۔ تب ایک عجیب کیفیت سے وہ خیالات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال مثلاً زید کی نسبت دل میں آیا کہ وہ فلاں مرض سے صحت یاب ہو گا یا نہ ہو گا تو جھٹ اُس پر ایک ٹکڑا کلامِ الٰہی کا ایک شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اُس کے گرنے کے ساتھ تمام بدن ہل جاتا ہے۔ پھر وہ مقدمہ طے ہو کر دوسرا خیال سامنے آتا ہے ادھر وہ خیال نظر کے سامنے کھڑا ہوا اور ادھر ساتھ ہی ایک ٹکڑا الہام کا اُس پر گرا۔ جیسا کہ ایک تیر انداز ہر یک شکار کے نکلنے پر تیر مارتا جاتا ہے۔ اور عین اس وقت میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ خیالات کا ہماری ملکۂ فطرت سے پیدا ہوتا ہے اور کلام جو اُس پر گرتا ہے وہ اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

کہ اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت اور نبوت کی یقینی حقیقت جو ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں منکرین وحی کو ساکت کر سکے اُسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ سلسلہ وحی برنگ محدثیت ہمیشہ کیلئے جاری رہے۔ سو اُس نے ایسا ہی کیا۔ **محدث** وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمۂ الٰہی سے مشرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ ۔ اگرچہ شعراء وغیرہ کو بھی سوچنے کے بعد القاء ہوتا ہے مگر اس وحی کو اس سے مناسبت دینا سخت بے تمیزی ہے کیونکہ وہ القاء خوض اور فکر کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور ہوش و حواس کی قائمی اور انسانیت کی حد میں ہونے کی حالت میں ظہور کرتا ہے لیکن یہ القاء صرف اس وقت ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کے تصرف میں آجاتا ہے اور اپنا ہوش اور اپنا خوض کسی طور سے اُس میں دخل نہیں رکھتا۔ اُسوقت زبان ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا یہ اپنی زبان نہیں اور ایک دوسری زبردست طاقت اس سے کام لے رہی ہے۔ اور یہ صورت جزئیں نے بیان کی ہے اس سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ فطرتی سلسلہ کیا چیز ہے اور آسمان سے کیا نازل ہوتا ہے؟ بالآخر میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس منحوس نیچریت کو مسلمانوں کے دلوں سے ایسا دھو دیوے کہ کوئی داغ اسکا باقی نہ رہے کیونکہ اسلام کی برکتیں جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں وہ آنکھ تب تک نہیں کھلے گی جب تک کہ یہ دُخان آگے سے دُور اور دفع نہیں ہوگا۔

اے نیچر شوخ ایں چہ ایذا است ❊ از دست تو فتنہ ہر طرف خاست

آنکس کہ رہ کجت پسندید ! ❊ دیگر نگزید جانب راست

لیکن چو ز غور و فکر بینیم ❊ از ماست مصیبتی کہ بر ماست

متروک شد است درس فرقاں ❊ زاں روز ہجوم ایں بلا ہاست

نیچر نہ باصل خویش بد بود ❊ دیں گم شد و نور عقل کاست

ہر قطرہ نگوں شدند یک بار ❊ رو تافتہ زانطرف کہ دریاست

بر جنت و حشر و نشر خندند ❊ کیں قصہ بعید از خردہاست

چوں ذکر فرشتگاں بیاید ❊ گویند خلاف عقل داناست

اے سید سرگروہ ایں قوم ! ❊ ہشدار کہ پائے تو نہ برجاست

پیرانہ سرایں چہ در سرافتاد ❊ رو توبہ کن ایں نہ رہ تقواست

ترسم کہ بدیں قیاس یک روز ❊ گوئی کہ خدا خیال بیجاست

اے خواجہ برو کہ فکر انساں ❊ در کار خدا ز نوع سوداست

آخر ز قیاس ہا چہ خیزد ❊ بنشیں کہ نہ جائے شور و غوغاست

اے بندہ بصیرت از خدا خواہ ❊ اسرار خدا نہ خوان یغماست

ہوتے ہیں اور اُن کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ خواص عجیبہ نبوت کے لئے بطور آیاتِ باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزولِ وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصّہ کے نہ ہو جائے اور یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دُنیا سے بے وارث ہی گذر گئے اور اب اُن کی نسبت کچھ رائے ظاہر کرنا بجز قصّہ خوانی کے اَور کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک صدی میں ضرورت کے وقت اُن کے وارث پیدا ہوتے رہے ہیں اور اِس صدی میں یہ عاجز ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اِس زمانہ کی اصلاح کیلئے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے۔ سو یہی ہو رہا ہے قرآن کریم کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں لطائف اور دقائق کلام ربّانی کے کھل رہے ہیں نشان آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حُسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سر سے جلوہ دکھلا رہا ہے جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے وہ طلب کرے اور جس میں ایک ذرّہ حب اللہ اور رسول کریمؐ کی ہے وہ اُٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اُس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اب وحی ولایت کی راہ مسدود ہے اور نشان ظاہر نہیں ہو سکتے اور دُعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ ہلاکت کی راہ ہے نہ سلامتی کی۔ خدا تعالیٰ کے فضل کو ردّ مت کرو اُٹھو! آزماؤ اور پرکھو۔ پھر اگر یہ پاؤ کہ معمولی سمجھ اور معمولی عقل اور معمولی باتوں کا انسان ہے تو قبول نہ کرو لیکن اگر کرشمۂ قدرت دیکھو اور اُسی ہاتھ کی چمک پاؤ جو مؤیدانِ حق اور مکلمانِ الٰہی میں ظاہر ہوتا رہا ہے تو

قبول کرلو۔ اور یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان یہی ہے کہ وہ اسلام کو مُردہ مذہب رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ یقین اور معرفت اور الزام خصم کے طریقوں کو کھلا رکھنا چاہتا ہے۔ بھلا تم آپ ہی سوچو کہ اگر کوئی وحیٔ نبوت کا منکر ہو اور یہ کہے کہ ایسا خیال تمہارا سراسر وہم ہے تو اس کے مونہہ بند کرنے والی بجز اس کے نمونہ دکھلانے کے اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے؟ کیا یہ خوشخبری ہے یا بدخبری کہ آسمانی برکتیں صرف چند سال اسلام میں رہیں اور پھر وہ خشک اور مُردہ مذہب ہو گیا؟ اور کیا ایک سچے مذہب کے لئے یہی علامتیں ہونی چاہئیں؟

غرض صحیح تفسیر کے لئے یہ معیار ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سیّد صاحب کی تفسیر اِن ساتوں معیاروں سے اپنے اکثر مقامات میں محروم و بے نصیب ہے اور اسوقت اس سے تعرض کرنا ہمارا مقصود نہیں سیّد صاحب کو قانون قدرت پر بڑا ہی ناز تھا مگر اپنی تفسیر میں وہ قانون قدرت کا لحاظ بھی چھوڑ گئے۔ مثلاً اُن کا یہ اعتقاد کہ وحی نبوت بجز اپنے ہی فطرت کے ملکہ کے اور کچھ چیز نہیں اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں ملائکہ کا واسطہ نہیں کسقدر خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مخالف ہے۔ ہم صریح دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے جسمانی قویٰ کی تکمیل کے لئے آسمانی توسط کے محتاج ہیں۔ ہمارے اس بدنی سلسلہ کے قیام اور اغراض مطلوبہ تک پہنچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں اور عناصر کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے اور کئی وسائط کے پیرایہ میں ہو کر اس علت العلل کا فیض ہم تک پہنچتا ہے اور بے واسطہ ہرگز نہیں پہنچتا۔ مثلاً اگرچہ ہماری آنکھوں کو تو نُور خداوند تعالیٰ ہی سے ملتا ہے کیونکہ وہی تو علت العلل ہے مگر وہ آفتاب کے واسطے سے ہماری آنکھوں تک پہنچتا ہے۔ ہم ایک چیز بھی نظام ظاہری میں ایسی نہیں دیکھتے جسکو خدا تعالیٰ بلا واسطہ آپ ہی اپنا مبارک ہاتھ لمبا کرکے ہمیں دیدے

بلکہ ہر ایک چیز وسائط کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے ظاہری قویٰ کی خلقت تام نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ مثلاً مستقل طور پر روشن ہوں اور آپ کے مجوزہ ملکہ وحی کی طرح ایسا اُن میں ملکہ موجود ہو جو آفتاب کے واسطہ سے ہم کو مستغنی کر دے پھر اس نظام کے برخلاف بے اصل باتیں آپ کی کیونکر صحیح ٹھہر سکیں۔ ماسوا اس کے ذاتی تجارب کی شہادت جو سب شہادتوں سے بڑھ کر ہے آپ کی اس رائے کی سخت تکذیب کرتی ہے کیونکہ یہ عاجز قریباً گیارہ برس سے شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہے اور اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ وحی درحقیقت آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ وحی کی مثال اگر دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کے ساتھ دی جائے تو شاید کسی قدر تار برقی سے مشابہ ہے جو اپنے ہر ایک تغیّر کی آپ خبر دیتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ تصرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ مَیں اُس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سُنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں ٭ اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ اب اِس سے انکار کرنا ایک کھلی کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔

مناسب ہے کہ سید صاحب موت سے پہلے اس صداقت کو آج مان لیں۔ اور آسمانی وحی کی توہین نہ کریں۔ تعجب ہے کہ وہ نظامِ ظاہری کو تو دیکھتے ہیں اور پھر نظامِ باطنی کا

٭ نوٹ:۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ملائک بعض وقت نظر آتے ہیں بلکہ بسا اوقات ملائک کلام میں اپنا واسطہ ہونا ظاہر کر دیتے ہیں۔ منہ

اس پر قیاس نہیں کرتے نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے ہمارے نظامِ جسمانی کو اس طرح بنایا کہ آسمان سے ظاہری روشنی ہمارے لئے اُترتی ہے اور حقیقی مؤثر آسمانی وسائط کے ذریعہ سے ہمارے جسمانی قویٰ پر اپنا فیض نازل کرتا ہے اور بغیر واسطہ عِلل کے کوئی فیض نازل کرنا اُس کی عادت ہی نہیں تو پھر کیونکر وہ خدا ہمارے روحانی نظام میں اس سلسلۂ وسائط سے بالکل ہم کو منقطع کر دیوے کیا جسمانی طور سے ہم اس سلسلہ سے منقطع ہیں یا درحقیقت ایک سلسلہ وسائط میں بندھے ہوئے ہیں جو علت العلل سے شروع ہو کر ہم تک پہنچتا ہے۔ اس بحث پر غور کرنے کے لئے ہماری کتاب **توضیح مرام** اور **آئینہ کمالاتِ اسلام** دیکھنے چاہیئے خاصکر فرشتوں کی ضرورت میں جسقدر مبسوط بحث آئینہ کمالاتِ اسلام میں ہے اس کی نظیر کسی دوسری کتاب میں نہیں پاؤ گے اور سیّد صاحب کی خداشناسی کا اندازہ معلوم کرنے کے لئے یہ اُن کے اقوال کافی ہیں کہ وہ مخلوقات کو مقدارِ حقیقی کے تصرفوں اور حکومتوں سے بے نیاز کر بیٹھے ہیں۔ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کی خدائی اُس کی قدرتِ کاملہ سے وابستہ ہے اور قدرت اِسی کا نام ہے کہ اُس کے تصرفات اُسکی مخلوق پر ہر آن غیر محدود ہوں۔ بلاشبہ یہ سچ ہے کہ اگر اس مخلوقات کو اُس نے پیدا کیا ہے تو اپنی غیر محدود ذات کی طرح غیر محدود تصرفات کی گنجائش بھی رکھ لی ہوگی تا کسی درجہ پر اُس کی خدائی کا تعطّل لازم نہ آوے* اور اگر نعوذ باللہ آریہ ہندوؤں کا قول صحیح ہو

---

*حاشیہ۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بات کے ماننے سے کہ خدا تعالیٰ کی غیر متناہی حکمت استحالاتِ غیر متناہیہ پر قادر ہے حقائق اشیاء سے امان اُٹھ جاتا ہے۔ مثلاً اگر خدا تعالیٰ اس بات پر قادر سمجھا جائے کہ پانی کی صورتِ نوعیہ کو سلب کر کے ہوا کی صورتِ نوعیہ اس کی جگہ رکھ دے یا ہوا کی صورتِ نوعیہ کو سلب کر کے آگ کی صورتِ نوعیہ کو اُس کی قائم مقام کر دے یا آگ کی صورتِ نوعیہ کو سلب کر کے ان مخفی اسباب سے جو اُس کے علم میں ہیں پانی کی صورتِ نوعیہ میں لے آوے یا مٹی کو کسی زمین کی تہ میں تصرفات لطیفہ سے سونا بنا دے یا سونے کو مٹی بنا دے تو اس سے امان اٹھ جائیگا اور علوم و فنون ضائع ہو جائیں گے۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال سراسر فاسد ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ

کہ پرمیشور ارواح اور ذرّاتِ عالم کا پیدا کرنے والا نہیں تو اُس صورت میں بلاشبہ ایسا کمزور پرمیشور
کسی حد تک کچھ ضعیف سی حکومت کرکے پھر ٹھہر جائیگا اور ایک رسوائی کے ساتھ اُسکی پردہ دری
ہوگی مگر ہمارا خداوند قادرِ مطلق ایسا نہیں ہے۔ وہ تمام ذرّاتِ عالم اور ارواح اور جمیع مخلوقات
کو پیدا کرنے والا ہے۔ اُس کی قدرت کی نسبت اگر کوئی سوال کیا جائے تو بجز اُن خاص باتوں
کے جو اس کی صفات کاملہ اور مواعید صادقہ کے منافی ہوں باقی سب امور پر وہ قادر ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷ ۔ خدا تعالیٰ اپنی مخفی حکمتوں کے تصرف سے عناصر وغیرہ کو صدہا طور کے استحالات میں ڈالتا
رہتا ہے ایک زمین کو ہی دیکھو کہ وہ انواع و اقسام کے استحالات سے کیا کچھ بنتی رہتی ہے اسی سے سم الفار
نکل آتا ہے اور اسی سے فاذ زہر اور اسی سے سونا اور اسی سے چاندی اور اسی سے طرح طرح کے
جواہرات۔ اور ایسا ہی بخارات کا صعود ہوکر کیا کیا چیزیں ہیں جو آسمان میں پیدا ہو جاتی ہیں انہیں
بخارات میں سے برف گرتی ہے اور انہیں سے اولے بنتے ہیں اور انہیں میں سے برق اور انہیں میں سے
صاعقہ۔ اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ کبھی جو آسمان سے راکھ بھی گرتی ہے تو کیا ان حالات سے
علم باطل ہو جاتے ہیں یا امان اُٹھ جاتا ہے اور اگر یہ کہو کہ ان چیزوں میں تو خدا تعالےٰ نے پہلے
ہی سے ان کی فطرت میں ان تمام استحالات کا مادہ رکھا ہے۔ تو ہمارا یہ جواب ہوگا کہ ہم نے
کب اور کس وقت کہا ہے کہ اشیاء متنازعہ فیہا میں ایسا مادہ فشار کہ نہیں رکھا گیا بلکہ صحیح اور
سچا مذہب تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنی ذات میں واحد ہے تمام اشیاء کو شئے واحد کی طرح
پیدا کیا ہے تاوہ موجد واحد کی وحدانیت پر دلالت کریں۔ سو خدا تعالےٰ نے اسی وحدانیت کے
لحاظ سے اور نیز اپنی قدرت غیر محدودہ کے تقاضا سے استحالات کا مادہ اُن میں رکھا ہے اور
بجز اُن روحوں کے جو اپنی سعادت اور شقاوت میں خالدین فیہا ابدًا[1] کے مصداق ٹھہرائے گئے
ہیں اور وعدہ الٰہی نے ہمیشہ کے لئے ایک غیر متبدل خلقت اُن کے لئے مقرر کردی ہے باقی کوئی
چیز مخلوقات میں سے استحالات سے بچی ہوئی معلوم نہیں ہوتی بلکہ اگر غور کرکے دیکھو تو ہر وقت
ہر یک جسم میں استحالہ اپنا کام کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ علم طبعی کی تحقیقاتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے
کہ تین برس تک انسان کا جسم بدل جاتا ہے اور پہلا جسم ذرات ہوکر اُڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر پانی ہے
یا آگ ہے تو وہ بھی استحالہ سے خالی نہیں اور دو طور کے استحالے اُن پر حکومت کرتے ہیں۔
ایک یہ کہ بعض اجزاء نکل جاتے ہیں اور بعض اجزاء جدیدہ آملتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو اجزاء نکل جاتے
ہیں وہ اپنی استعداد کے موافق دوسرا جسم لے لیتے ہیں۔ غرض اس فانی دنیا کو استحالات کے چرخ پر
چڑھائے رکھنا خدا تعالیٰ کی ایک سنت ہے اور ایک باریک نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

[1] الجنّ : ۲۴

اور یہ بات کہ گو وہ قادر ہو مگر کرنا نہیں چاہتا یہ عجیب بے ہودہ الزام ہے جب کہ اُس کی صفات میں کُلّ یوم ھو فی شان[1] بھی داخل ہے۔ اور ایسے تصرفات کہ پانی سے برودت دور کرے یا آگ سے خاصیتِ احراق زائل کر دیوے اُس کی صفاتِ کاملہ اور مواعیدِ صادقہ کی منافی نہیں ہیں تو پھر کیوں تحکم کی راہ سے کہا جائے کہ ہمیشہ کے لئے اُس پر لازم ہو گیا ہے کہ

بقیہ حاشیہ ۲۸ یہ سب چیزیں بوجہ وحدتِ مبدء فیض اپنی اصل ماہیت میں ایک ہی ہیں گو ان چیزوں کا کامل کیمیاگر انسان نہیں بن سکتا اور کیونکر بنے حکیم مطلق نے اپنے اسرارِ حکمیہ غیر متناہیہ پر کسی دوسرے کو محیط نہیں کیا۔ اور اگر یہ کہو کہ اجرام علوی میں استحالات کہاں ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ بیشک اُن میں بھی استحالات اور تحلیلات کا مادہ ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو۔ تبھی تو ایک دن زوال پذیر ہو جائیں گے۔ ماسوا اس کے ہزارہا چیزوں کے استحالات پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز استحالہ سے خالی نہیں۔ سو تم پہلے زمین کے استحالات سے انکار کر لو پھر آسمان کی بات کرنا ؎ تو کار زمیں را نکو ساختی ۔ کہ با آسمان نیز پرداختی۔

غرض جب انواع واقسام کے استحالات ہر روز مشاہدہ میں آتے ہیں اور وحدتِ ذاتی کا یہ تقاضا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا منبع اور مبداء ایک ہو اور خدا تعالےٰ کی الوہیتِ تامہ بھی تب ہی قائم رہ سکتی ہے کہ جب ذرہ ذرہ پر اس کا تصرف تام ہو تو پھر یہ استبعاد اور یہ اعتراض کہ ان استحالات سے امان اُٹھ جائیگا اور علوم ضائع ہونگے اگر سخت غلطی نہیں تو اور کیا ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ قادر ہے کہ پانی سے آگ کا کام لیوے یا آگ سے پانی کا کام تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ اپنی حکمتِ غیر متناہی کو اُس میں دخل نہ دے یونہی تحکم سے کام لے لیوے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل آمیزشِ حکمت سے خالی نہیں اور نہ ہونا چاہیئے بلکہ ہمارا یہ مطلب ہے کہ جس وقت وہ پانی سے آگ کا کام یا آگ سے پانی کا کام لینا چاہے تو اس وقت اپنی اس حکمت کو کام میں لائیگا جو اس عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت رکھتی ہے گو ہم اس سے مطلع ہوں یا نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جو حکمت کے طور پر کام ہو وہ علوم کو ضائع نہیں کرتا بلکہ علوم کی اس سے ترقی ہوتی ہے۔ دیکھو مصنوعی طور پر پانی کی برف بنائی جاتی ہے یا برقی روشنی پیدا کی جاتی ہے۔ تو کیا اس سے امان اُٹھ جاتا ہے یا علم ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس جگہ ایک اور سِرّ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ اولیاء سے جو خوارق کبھی

[1] الرحمٰن : ۳۰

اُن چیزوں کی خاصیّت میں کبھی تصرّف نہ کرے۔ اِس لزوم پر دلیل کیا ہے اور وجہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ کو اِس بے وجہ التزام کی جو اُس کی خدائی کو بھی داغ لگاتا ہے ضرورت کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس رسالہ میں سیّد صاحب بھی اِس کمزور خیال کے بودے پن کو سمجھ گئے ہیں۔ اِس لئے اپنے رکیک قول کے قائم رکھنے کے لئے انہوں نے ایک اور رکیک عذر پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ آگ کے گرم ہونے

بقیہ حاشیہ ص۲۹۔ اِس قسم کے ظہور میں آتے ہیں کہ پانی اُن کو ڈبو نہیں سکتا اور آگ اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اِس میں بھی دراصل یہی بھید ہے کہ حکیم مطلق جس کی بے انتہا اسرار پر انسان حاوی نہیں ہو سکتا اپنے دوستوں اور مقربوں کی توجّہ کے وقت کبھی یہ کرشمہ قدرت دکھلاتا ہے کہ وہ توجہ عالم میں تصرف کرتی ہے۔ اور جن ایسے مخفی اسباب کے جمع ہونے سے مثلاً آگ کی حرارت اپنے اثر سے رُک سکتی ہے خواہ وہ اسباب اجرامِ علوی کی تاثیریں ہوں یا خود مثلاً آگ کی کوئی مخفی خاصیت یا اپنے بدن کی ہی کوئی مخفی خاصیّت یا ان تمام خاصیتوں کا مجموعہ ہو وہ اسباب اس توجہ اور اِس دُعا سے حرکت میں آتی ہیں۔ تب ایک امر خارق عادت ظاہر ہوتا ہے مگر اس سے حقائق اشیاء کا اعتبار نہیں اُٹھتا اور نہ علوم ضائع ہوتے ہیں بلکہ یہ تو علوم الٰہیہ میں سے خود ایک علم ہے اور یہ اپنے مقام پر ہے اور مثلاً آگ کا محرق یا پانی جیسے ہونا اپنے مقام پر۔ بلکہ یوں سمجھ لیجیئے کہ یہ روحانی مواد ہیں جو آگ پر غالب آکر اپنا اثر دکھاتے ہیں اور اپنے وقت اور اپنے محل سے خاص ہیں۔ اِس دقیقہ کو دنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسان کامل خدا تعالےٰ کے رُوح کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جب کبھی کامل انسان پر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ اس جلوہ کا عین وقت ہوتا ہے تو اُس وقت ہر ایک چیز اس سے ایسی ڈرتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے اُس وقت اس کو درندہ کے آگے ڈال دو، آگ میں ڈال دو وہ اُس سے کچھ بھی نقصان نہیں اُٹھائیگا۔ کیونکہ اُسوقت خدا تعالیٰ کی رُوح اِس پر ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کا عہد ہے کہ اُس سے ڈرے۔ یہ معرفت کا ایک آخیری بھید ہے جو بغیر صحبت کاملین سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چونکہ یہ نہایت دقیق اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے آگاہ نہیں۔ مگر یہ یاد رکھو کہ ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی آواز سُنتی ہے۔ ہر ایک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرّف ہے۔ اور ہر ایک چیز کی تمام ڈوریاں خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی حکمت ایک بے انتہا حکمت ہے جو ہر ایک ذرہ کی جڑھ تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اُس کی قدرتیں ہیں۔ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اُس گروہ میں داخل ہے جو

کی طرف اشارہ کیا ہے اور کسی جگہ پانی کے سرد ہونے کی طرف ایما فرمایا ہے۔ اور کبھی کہا ہے کہ سُورج مشرق سے مغرب کی طرف جاتا ہے تو یہ بیانات جو حالاتِ موجودہ کے اظہار کے لئے ہیں سیّد صاحب کی نظر میں بطور وعدہ کے ہیں جن میں تغیر و تبدیل ممکن نہیں۔ اگر استخراج دلائل کا یہی طریق ہے تو سیّد صاحب پر بڑی مشکل پڑیگی۔ اور اُن کو ماننا پڑے گا کہ تمام بیانات قرآن کریم کے مواعید میں داخل ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے جو حضرت زکریّا کو بشارت دیکر فرمایا انّا نبشّرک بغلام[۱] (مریم ع ۱) تو بموجب قاعدہ سیّد صاحب کے چاہیئے تھا کہ حضرت یحیٰؑ ہمیشہ غلام یعنی لڑکے ہی رہتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت یحیٰؑ کو غلام کرکے پکارا ہے اور یہ وعدہ ہو گیا۔ ایسی ہی اور بیسیوں مثالیں ہیں سب کو بیان کرنا صرف وقت ضائع کرنا ہے۔ اگر سیّد صاحب کی نظر میں واقعات موجودہ کے بیان کرنے سے آئندہ کے لئے اور ہمیشہ کے لئے کوئی وعدہ لازم آجاتا ہے تو ان سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا ہی وہ بات بات میں انسانوں پر الزام لگائیں گے اور ایک موجودہ واقعہ کے بیان کرنے کو وہ ایک دائمی وعدہ سمجھ لیں گے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ سیّد صاحب اپنے آخری دن کو یاد کرکے چند ماہ اِس عاجز کی صحبت میں رہیں۔ اور چونکہ مَیں مامور ہوں اور مبشّر ہوں اِس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سیّد صاحب کے اطمینان کے لئے توجہ کروں گا اور اُمید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسا نشان دکھلائے کہ سیّد صاحب کے مجوزہ قانونِ قدرت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۔ ما قدروا اللّٰہ حق قدرہٖ[۲] کے مصداق ہیں اور چونکہ انسان کامل مظہر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اس کی طرف وقتاً فوقتاً کھینچا جاتا ہے۔ وہ روحانی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے۔ اور تمام عالم اُس کی تاریں ہوتی ہیں اور خوارق کا یہی سِرّ ہے ؎

بکاروبارِ ہستی اثری ست عارفاں رہ ٭ زجہاں چہ دید آں کس کہ ندید ایں جہاں را ۔ منہ

[۱] مریم : ۸ [۲] الانعام : ۹۲

کو ایک دم میں خاک میں ملا دیوے اور اس قسم کے کام اب تک بہت ظہور میں آئے ہیں کہ جو سید صاحب کی نظر میں قانونِ قدرت کے مخالف ہیں مگر اُن کا بیان کرنا بے فائدہ ہے کہ سیّد صاحب اس کو ایک قصّہ سمجھیں گے۔ سید صاحب وحیٔ ولایت کی ایسی پیشگوئیوں سے بھی تو منکر ہیں جو بذریعہ الہام اولیاء اللہ کو معلوم ہوتے ہیں اور اُن کی نظر میں وہ ایسے ہی خلافِ قانونِ قدرت ہیں جیسا کہ آگ کا اپنی خاصیّتِ احراق کو چھوڑ دینا۔ ایسا ہی دُعا کی ذاتی تاثیرات بھی جن کے ذریعہ سے وہ مطلب حاصل ہو جاتا ہے جس کیلئے دُعا کی گئی سیّد صاحب کی نظر میں خلاف قانونِ قدرت ہیں۔ سو اگر سیّد صاحب میرے پاس آ نہیں سکتے تو ان دونوں باتوں میں ہی وعدہ قبولِ حق کر کے مجھ کو اجازت دیں کہ اُن کی نسبت جناب الٰہی میں توجہ کر کے جو کچھ ظاہر ہو وہ شائع کروں۔ اِس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو جائیگا۔ اگر سیّد صاحب کی رائے درحقیقت درست ہے تو مَیں اپنے مطلب میں کامیاب نہیں ہونگا ورنہ عقلمند لوگ سیّد صاحب کے خراب عقیدوں سے نجات پا کر پھر اپنے عظیم الشان خدا تعالیٰ کو پہچان لینگے اور محبت سے اُس کی طرف رجوع کرینگے اور دُعا کے وقت اُس کی رحمتوں سے نا اُمید نہیں ہونگے اور ہاتھ اُٹھانے کے وقت لذّت اُٹھائینگے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا فائدہ بھی تو یہی ہے کہ ہماری دُعائیں سُننے اور آپ اپنے وجود سے ہمیں خبر دے نہ کہ ہم ہزار ہزار تکلیف سے ایک بُت کی طرح ایک فرضی خدا دل میں قائم کریں جس کی ہم آواز نہیں سُن سکتے اور اُس کی نمایاں قدرت کا کوئی جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً سمجھو کہ وہ قادر خدا موجود ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وما غلت ایدیه بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء ویفعل ما یرید وھو علٰی کلّ شیءٍ قدیر۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رُوئے دلبر از طلبگاراں نمی دارد حجاب — می درخشد در خور و می تابد اندر ماہتاب

لیکن آں روئے حسین از غافلاں ماند نہاں — عاشقی باید کہ بردارند از بہرش نقاب

دامن پاکش ز نخوت ہا نمی آید بدست — ہیچ راہی نیست از غیر عجز و درد و اضطراب

بس خطرناک است راہِ کوچۂ یارِ قدیم — جاں سلامت بایدت از خود روی ہا سر بتاب

تا کلامش فہم و عقلِ ناسزایاں کم رسد — ہر کہ از خود گم شود او یابد آں راہِ صواب

مشکلِ قرآں نہ از ابناء دُنیا حل شود — ذوق آں می داند آں مستی کہ نوشد آں شراب

ایکہ آگاہی نداد ندت ز انوارِ درون — در حقِ ما ہر چہ گوئی نیستی جائے عتاب

از سرِ وعظ و نصیحت ایں سخن ہا گفتہ ایم — تا مگر زیں مرہمی بہ گردد آں زخمی خراب

از دعا کُن چارۂ آزار انکارِ دُعا — چوں علاج می ز می وقتِ خمار و التہاب

ایکہ گوئی گر دُعاہا را اثر بودے کجاست — سوئے من بشتاب بنمائیم ترا چوں آفتاب

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق

قصّہ کوتہ کن بہ بیں از ما دُعائے مستجاب

(دیکھو صفحہ ۲ و ۳ و ۴)

لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر

آج ۲ر اپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ر ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہُوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اُس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہُوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملایک شداد غلاظ میں سے ہے اور اسکی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اُسکو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پُوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے تب میں نے اُسوقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور دوسرے شخص کی سزا دہی کیلئے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دُوسرا شخص کون ہے ہاں یقینی طور پر یاد ہے کہ وہ دوسرا شخص انہیں چند آدمیوں میں سے تھا جن کی نسبت میں اشتہار دے چکا ہوں اور یہ یکشنبہ کا دن اور ۴ بجے صبح کا وقت تھا۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذالک۔

اِسکو غور سے پڑھو کہ اِس میں آپ لوگوں کے لئے خوشخبری ہے

بخدمت امراء و رئیسان و منعمان ذی مقدرت و والیان ارباب حکومت و منزلت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اے بزرگانِ اسلام خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں تمام فرقوں سے بڑھ کر نیک ارادے پیدا کرے اور اس نازک وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پیارے دین کا سچا خادم بنادے۔ مَیں اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اِس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دینِ متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تاکہ مَیں اِس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں ظاہر کروں اور اُن تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں اُن نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں سو یہ کام برابر دس برس سے ہو رہا ہے لیکن چونکہ وہ تمام ضرورتیں جو ہم کو اشاعتِ اسلام کے لئے درپیش ہیں بہت سی مالی امدادات کے محتاج ہیں۔ اس لئے مَیں نے یہ ضروری سمجھا کہ بطور تبلیغ آپ صاحبوں کو اطلاع دوں۔ سو سُنو اے عالیجاہ بزرگو۔ ہمارے لئے اللہ جلّشانہٗ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں یہ مشکلات درپیش ہیں کہ ایسی تالیفات کے لئے جو لاکھوں آدمیوں میں پھیلانی چاہیئے بہت سے سرمایہ کی حاجت ہے اور اب صورت یہ ہے کہ اوّل تو

اِن بڑے بڑے مقاصد کے لئے کچھ بھی سرمایہ کا بندوبست نہیں اور اگر بعض پُرجوش مردانِ دین* کی ہمت اور اعانت سے کوئی کتاب تالیف ہو کر شائع ہو تو بباعث کم توجہی اور غفلت زمانہ کے وہ کتاب بجز چند نسخوں کے زیادہ فروخت نہیں ہوتے اور اکثر نسخے اس کے یا تو سالہا سال صندوقوں میں بند رہتے ہیں یا لِلّٰہ مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اشاعتِ ضروریاتِ دین میں بہت سا حرج ہو رہا ہے اور گو خدا تعالیٰ اس جماعت کو دن بدن زیادہ کرتا جاتا ہے مگر ابھی تک ایسے دولتمندوں میں سے ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں کہ کوئی حصّہ معتدبہ اس خدمتِ اسلام کا اپنے ذمہ لے لے اور چونکہ یہ عاجز خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر تجدید دین کے لئے آیا ہے اور مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ وہ بعض امراء اور ملوک کو بھی ہمارے گروہ میں داخل کرے گا۔ اور مجھے اُس نے فرمایا کہ مَیں تجھے برکت پر برکت دُونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اسی بنا پر آج مجھے خیال آیا کہ مَیں اربابِ دولت اور مقدرت کو اپنے کام کی نصرت کے لئے تحریک کروں۔

اور چونکہ یہ دینی مدد کا کام ایک عظیم الشان کام ہے اور انسان اپنے شکوک اور شبہات اور وساوس سے خالی نہیں ہوتا اور بغیر شناخت وُہ صدق بھی پیدا نہیں ہوتا جس سے ایسی بڑی مددوں کا حوصلہ ہو سکے۔ اس لئے مَیں تمام امراء کی خدمت میں بطور عام اعلان کے لکھتا ہوں کہ اگر اُنکو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وُہ اپنے بعض مقاصد اور مہمات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ تا مَیں اُن مقاصد کے پورا ہونے کے لئے دُعا کروں۔ مگر اس بات کو تصریح سے لکھ بھیجیں کہ وہ مطلب کے پُورا ہونے کے وقت کہاں تک ہمیں اسلام کی راہ میں مالی مدد دیں گے اور کیا انہوں نے اپنے دلوں

---

* پرجوش مردانِ دین سے مراد اس جگہ اخویم حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی ہیں جنہوں نے گویا اپنا تمام مال اسی راہ میں لٹا دیا ہے۔ اور بعد اُن کے میرے دلی دوست حکیم فضل دین صاحب اور نواب محمد علی خانصاحب کوٹلہ مالیر اور درجہ بدرجہ تمام وہ مخلص دوست ہیں جو اس راہ میں فدا ہو رہے ہیں۔ منہ

میں پختہ اور حتمی وعدہ کرلیا ہے کہ ضرور وہ اس قدر مدد دینگے۔ اگر ایسا خط* کسی صاحب کیطرف سے
مجھ کو پہنچا تو مَیں اسکے لئے دُعا کرونگا اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر مبرم نہ ہو ضرور
خدا تعالیٰ میری دُعا سُنیگا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ سے اطلاع دیگا۔ اِس بات سے نومید
مت ہو کہ ہمارے مقاصد بہت پیچیدہ ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے بشرطیکہ
ارادہ ازلی اُس کے مخالف نہ ہو۔ اور اگر ایسے صاحبوں کی بہت سی درخواستیں آئیں تو صرف
اُنکو اطلاع دی جائے گی جنکے کشود کار کی نسبت از جانب حضرتِ عزّوجل خوشخبری ملے گی اور
یہ اُمور منکرین کے لئے نشان بھی ہونگے اور شاید یہ نشان اس قدر ہو جائیں کہ دریا کی طرح بہنے
لگیں۔ بالآخر مَیں ہر ایک مسلمان کی خدمت میں نصیحتاً کہتا ہوں کہ اسلام کے لئے جاگو کہ اسلام
سخت فتنہ میں پڑا ہے۔ اس کی مدد کرو کہ اب یہ غریب ہے اور مَیں اسی لئے آیا ہوں اور
مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے
ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں۔ سو میری طرف آؤ تا اس نعمت سے تم بھی حصہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے
اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ کیا
ضرور نہ تھا کہ ایسی عظیم الفتن صدی کے سر پر جس کی کُھلی کُھلی آفات ہیں ایک مجدّد کُھلے
کُھلے دعویٰ کے ساتھ آتا۔ سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت کرو گے
ہر ایک جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا اُسوقت کے علماء کی نا سمجھی اُس کی سدّ راہ ہوئی۔
آخر جب وہ پہچانا گیا تو اپنے کاموں سے پہچانا گیا کہ تلخ درخت شیریں پھل نہیں
لاسکتا۔ اور خدا غیر کو وہ برکتیں نہیں دیتا جو خاصوں کو دی جاتی ہیں۔ اے لوگو!
اسلام نہایت ضعیف ہوگیا ہے اور اعداء دین کا چاروں طرف سے محاصرہ ہے
اور تین ہزار سے زیادہ مجموعہ اعتراضات کا ہوگیا ہے۔ ایسے وقت میں ہمدردی

* چاہیئے کہ خط نہایت احتیاط سے بذریعہ رجسٹری سر بمہر آوے اور اُس راز کو قبل از وقت فاش نہ کیا جائے اور اسجگہ بھی
پوری امانت کے ساتھ وہ راز مخفی رکھا جائیگا۔ اور اگر بجائے خط کوئی معتبر کسی امیر کا آوے تو یہ امر اور بھی زیادہ مؤثر ہوگا۔ منہ

سے اپنا ایمان دکھاؤ اور مردانِ خدا میں جگہ پاؤ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست — ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست

ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ربود — حیف بر چشمے کہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست

اے خداوندانِ نعمت ایں چنیں غفلت چراست — بیخود از خوابید یا خود بختِ دیں بیدار نیست

اے مسلماناں خدا را یک نظر بر حالِ دیں — آنچہ می بینیم بلاہا حاجتِ اظہار نیست

آتش افتاد است در درختش بخیزید اے یلاں — دیدنش از دور کارِ مردمِ دیندار نیست

ہر زماں از بہرِ دیں در خوں دلِ من می تپد — محرمِ ایں دردِ ما جز عالمِ اسرار نیست

آنچہ بر ما می رود از غم کہ داند جز خدا — زہر می نوشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست

ہر کسے غمخواری اہل و اقارب می کند — اے دریغ ایں بیکسی را ہیچ کس غمخوار نیست

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا — اے عجب ایں مردماں را مہرِ آں دلدار نیست

حیرتم آید چو بینم بذلِ شاں در کارِ نفس — کایں ہمہ جود و سخاوت در رہِ دادار نیست

اے کہ داری مقدرت ہم عزم تائیداتِ دیں — لطف کن ما را نظر بر اندک و بسیار نیست

بیں کہ چوں در خاک می غلطد ز جورِ ناکساں — آنکہ مثلِ او بزیرِ گنبدِ دوّار نیست

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں — جز دعاء بامداد و گریۂ اسحار نیست

اے خدا ہرگز مکن شاد آں دلِ تاریک را — آنکہ او را فکرِ دینِ احمدِ مختار نیست

اے برادر پنج روز ایّامِ عشرت ہا بود
دائما عیش و بہارِ گلشن و گلزار نیست

الراقم

مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپورہ پنجاب

مطبوعہ ریاض ہند قادیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اَفۡضَلِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ط

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے۔ جس کے ساتھ **دس ہزار روپیہ** کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھکر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وُہ فقط **اسلام** ہے۔ جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں۔ اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے اُن کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ اُن پر چلنے سے ایک ذرہ رُوحانی برکت و قبولیت الٰہی مل سکتی ہے۔ بلکہ اُن کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اِسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب میں دین اسلام کی سچّائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ (۱) **اوّل** تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان و شوکت و قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالفِ اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اُس کو دس۱۰ ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے۔ اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلّی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرا لے۔ (۲) **دوم** اُن آسمانی نشانوں سے کہ جو سچّے دین کی کامل سچّائی ثابت ہونے کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچّائی

دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہوجائے **تین قسم** کے نشان ثابت کرکے دکھائے ہیں۔ **اوّل** وُہ نشان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجنابؐ کی دُعا اور توجّہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے۔ جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص وممتاز کرکے درج کتاب کیا ہے۔ **دوم** وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بے مثل طور پر پائے جاتے ہیں۔ جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر ایک خاص و عام پر کھول دیا ہے۔ اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا۔ **سوم** وہ نشان کہ جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتی ہیں۔ جن کے اثبات میں اس بندۂ درگاہ نے بفضلِ خداوند حضرت قادرِ مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچّے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبارِ غیبیّہ اور اسرار لدنّیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ جو خود اس خادمِ دین سے صادر ہوئی ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ) سے بشہادت و رویت گواہ ہیں۔ کتاب موصوفہ میں درج کئے ہیں۔ اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ **مجدّدِ وقت** ہے۔ اور رُوحانی طور پر اس کے کمالات **مسیح بن مریم** کے کمالات سے مشابہ ہیں۔ اور ایک کو دُوسرے سے بشدّت مناسبت ومشابہت ہے۔ اور اس کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض ببرکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ان بہتوں پر **اکابر اولیاء** سے **فضیلت** دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات وسعادت و برکت۔ اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد و حرمان ہے۔ یہ سب ثبوت کتاب **براہین احمدیّہ** کے پڑھنے سے جو منجملہ تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ

چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور طالب حق کے لئے خود مصنف پُوری پُوری تسلّی و تشفّی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا فَخْرَ وَ السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

اور اگر اس **اشتہار** کے بعد بھی کوئی شخص سچّا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے اور دِلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجّت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے رُو برو اُس کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس اشتہار کو اِس دُعا پر ختم کیا جاتا ہے کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے کامل اور مقدس کلام قرآن شریف پر ایمان لاویں۔ اور اُس کے حکموں پر چلیں تا اُن تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوشحالیوں سے متمتع ہو جائیں کہ جو سچّے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں کہ جو نہ صرف عقبیٰ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ سچّے راستباز اِسی دُنیا میں اس کو پاتے ہیں۔ بالخصوص قوم انگریز جنہوں نے ابھی تک اس آفتابِ صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذب اور بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اِس بات کیلئے دِلی جوش بخشا ہے کہ ہم اُن کے دُنیا و دین کے لئے دِلی جوش سے بہبودی و سلامتی چاہیں۔ تا اُن کے گورے و سپید مُنہ جس طرح دُنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی و مُنوّر ہوں۔ فنسئل اللّٰہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا والآخرۃ اللّٰھم اھدھم و ایدھم بروح و اجعل لھم حظًّا کثیرًا فی دینك و اجذبھم بحولك وقوتك لیؤمنوا بکتابك و رسولك و یدخلوا فی دین اللّٰہ افواجًا۔ اٰمین ثم اٰمین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

المشتہر

خاکسار مرزا **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور۔ ملک پنجاب

TRANSLATION OF THE VERNACULAR NOTICE ON REVERSE

Being inspired and commanded by God, I have undertaken the compilation of a book named "Barahin-i-Ahmadia," with the object of reforming and reviewing the religion, and have offered a reward of Rs. 10,000 to any one who would prove the arguments brought forward therein to be false. My object in this Book is to show that only true and the only revealed religion by means of which one might know God to be free from blemish, and obtain a strong conviction as to the perfection of His attributes is the religion of Islam, in which the blessings of truth shine forth like sun, and the impress of veracity is as vividly bright as the day-light. All other religions are so palpably and manifestly false that neither their principles can stand the test of reasoning nor their followers experience least spiritual edification. On the contrary those religions so obscure the mind divest of discernment that signs of future misery among the followers become apparent even in this world.

That the Muhammadan religion is the only true religion has been shown in this book in two ways : (1st), By means of 300 very strong and sound arguments based on mental reasoning (their congency and sublimity being inferred from the fact that a reward of Rs. 10,000 has been offered by me to any one refuting them, and from my further readiness to have this offer registered for the satisfaction of any one who might ask for it): (2) From these Divine signs which are essential for the complete and satisfactory proof of a true religion. With a view to establish that Muhammadan religion is the only true religion in the world, I have adduced under this latter head 3 kinds of evidences : (1) The miracles performed by the Prophet during his life time either by deeds or words which were witnessed by people of other persuasions and are inserted in this book in a chronological order (based on the best kind of evidences): (2), The marks which are insaparably adherent in the Al-Quran itself, and are perpetual and are everlasting, the nature of which has been fully expounded for facility of comprehension (3), The signs which by way of inheritances devolve on any believer in the Book of God and the follower of the true Prophet. As an illustration of this, I, the humble creature of God, by His help have clearly evinced myself to be possessed of such virtues by the achieving of many unusual and supernatural deeds by foretelling future events and secrets, and by obtaining from God the objects of my prayers to all of which many persons of different persuasions like the Aryas, & c., have been eye-witness (A full description of these will be found in the said book).

I am also inspired that I am the Reformer of my time, and that as regards spiritual excellence, my virtues beara very close similarity and strict analogy to those of Jesus Christ, in the same way as the distinguished chief of Prophets were assigned